مجموعہ مضامین: ''بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار'': تنقیدی مطالعہ

منور مقبول عثمانی ☆

Abstract:

A seminar was conducted in 2005 by Pakistan Academy of Letters on the topic of "Role of literature in a changing world".Report of this seminar was published but it is not available in market now like many other books published by Academy and other such institution.Acclaimed writers and researchers presented their research papers on the topic.Literature needs to be redefined in this ever changing world.The world has never been static but in this century pace of change has become swift.So literature being the mirror of life need to reflect more and ensure reformation.

دنیا ہمیشہ سے تغیر کی زد پر رہی ہے لیکن بدلتی دنیا کا چرچا جیسا اب ہے، ویسا قدیم سمیری تہذیب سے لے کر مغرب کی نشاۃ ثانیہ، صنعتی انقلاب اور مغربی نو آبادیات کے پھیلاؤ تک کم ہی ہوا تھا۔ صنعتی و سائنسی انقلاب، مغرب کے مخصوص فلسفہ ہائے زیست نیز اسالیب سیاست و معیشت نے انسانی زندگی کو تیز اور حصول مفاد کے عمل کو تیز تر کر دیا ہے۔ استحصال کو سفاکیت کے پورے ''تاریخی شعور'' اور کامیابی کے ایک بنیادی اصول کے ساتھ روا رکھنے کو غیر علانیہ طور پہ جائز قرار دے دیا گیا اور اس مکروہ عمل کی مبہم توجیہہ اس قول زریں کے ساتھ کی گئی ہے کہ ''محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے''۔ (گویا جائز سے محبت اور ناجائز سے جنگ اہم نہیں ہے)

سو ہم اس دنیا کے روبرو ہیں جو سائنس، صنعت اور سفاکیت سے روز بہ روز معمور ہو رہی ہے۔ حصولِ مفاد، جوشِ غلبہ اور جذبہ تسخیر کے سامنے کسی زندہ وجود کی بے بسی، کسی دور افتادہ ثقافت کی خستگی اور کسی پس ماندہ معیشت کی آہستہ روی کے لیے کسی قسم کی کوئی ہم دردی کہیں نہیں ہے۔ محض تصویر کھینچنے، تقریر کرنے اور مضمون لکھنے کے لیے یہ مسئلے ایک اچھا عنوان اور مواد مہیا کرتے ہیں اور اس کے بعد ان مسئلوں سے دوچار وجودوں، ثقافتوں اور معیشتوں کا غروب ہو جانا ''راہ نجات'' سمجھا جاتا ہے تا کہ مفاد، فتح، غلبہ، تسخیر اور کامرانی آگے قدم بڑھا سکے اور اپنے متمدن

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور

وجود کو مغلوب اور معدوم ہو جانے والوں کے لیے "فیض رساں" قرار دے سکے۔

اس بھیانک منظرنامے میں ساری دنیا کا ادب اور ادیب خصوصاً پاکستان کا ادیب کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ایک خوش گوار اور موثر کوشش کل پاکستان بنیاد پر اکادمی ادبیات پاکستان نے بھی کی۔

۲۰۰۵ء میں اکادمی ادبیات نے وفاقی اور صوبائی دارالحکومتوں میں پانچ سیمیناروں کا انعقاد کیا اور پاکستان کے اہل دانش اور ارباب ادب کو دعوت دی کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کے کردار پر روشنی ڈالیں تاکہ بدلتی ہوئی دنیا کے خدوخال، ادیب کی ذمہ داری اور ادب کی اثر آفرینی کا سارا تناظر روشن ہو سکے۔ ان سیمیناروں میں نہایت خیال انگیز مضامین پڑھے گئے جنھیں اکادمی ادبیات نے ۲۰۰۵ء ہی میں "بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار" کے عنوان سے ایک مجموعے کی صورت میں شائع کر دیا۔ مجموعہ مضامین کے آغاز میں افتخار عارف کا پیش نامہ اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی کا افتتاحیہ (جو ان کے افتتاحی خطاب پر مبنی ہے) موضوع کی اہمیت اور سیمیناروں کی غرض و غایت کو پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ۴۷ اہل قلم اور ارباب علم و ادب کے اظہاریے یا مختصر مضامین درج ہیں (چند اظہاریے کسی حد تک طویل بھی ہیں) پاکستان کے اہل دانش و ادب کا یہ مجموعہ کئی اعتبار سے لائق توجہ ہے (لیکن افسوس! اکادمی ادبیات پاکستان اور دیگر سرکاری اداروں کی طرح یہ کتاب نئی ہونے کے باوجود نایاب ہے یعنی عموماً مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے)

اس مجموعے کی اہمیت جاننے کے لیے مجموعے میں شامل چند اہم نام پیش کیے جا رہے ہیں:

ضیاء جالندھری، جمیل جالبی، جسٹس (ر) جاوید اقبال، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مسعود مفتی، فتح محمد ملک، مظہر الحق صدیقی، مشکور حسین یاد، شفقت تنویر مرزا، ڈاکٹر انوار احمد، آفتاب اقبال شمیم، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ناصر عباس نیّر اور محمد اظہار الحق وغیرہ۔ (خواتین میں) زیتون بانو، خالدہ حسین، فرخندہ لودھی، ڈاکٹر سلمیٰ شاہین، قیصرہ حیات، زینت ثناء، فاطمہ حسن، شہناز شورو۔

اس کتاب کی چند خصوصیات ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ اس مجموعہ مضامین میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے تقریباً تمام مکاتب فکر کے ادیبوں اور دانش وروں کے دیکھنے کا انداز، سوچنے کی روش اور متغیر ہوتی دنیا میں بہتر معاشرے کے قیام کا جذبہ، اُدھورے یا مکمل تناظر کے ساتھ محفوظ ہو گئے ہیں۔

۲۔ پاکستان میں بدلتی دنیا کے خدوخال کو بے ربط اور بے قاعدہ انداز میں موضوع گفتگو بنانے کے بجائے با ربط اور با قاعدہ مکالمے کی صورت ملی ہے جس سے خود پاکستانی ذہن، دانش اور ادب کے خدوخال اور مزاج کے کئی عکس اور ذائقے سامنے آئے ہیں۔

۳۔ وہ پرانا سوال نئے تصورات کے ساتھ زیر بحث آیا ہے کہ ادب کیا ہے؟ اور معاشرے کو بدلنے یا بہتر بنانے یا فقط پیش رفت کے لیے فضا پیدا کرنے میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟

۴۔ یہ تذکرہ بھی ہوا ہے کہ اعلیٰ اور اثر آفرین ادب کے ظہور کے لیے کس ماحول کو بہتر قرار دیا جا سکتا ہے؟ سو اس حوالے سے جمہوریت و آمریت، خوش حالی و بد حالی اور مغرب و مشرق بھی موضوع بنے ہیں۔

سیمناروں کا عنوان: ''بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار'' اس بات کا متقاضی تھا کہ عنوان کے دونوں حصے: ''بدلتی ہوئی دنیا'' اور ''ادب کا کردار'' پر الگ الگ اور پھر انہیں یک جا کر کے موضوع بحث بنایا جائے۔ اس حوالے سے تین رویے سامنے آتے ہیں:

الف۔ اہل دانش و ادب نے فقط یہ کہہ کر ''دنیا ہمیشہ سے بدلتی آئی ہے'' اپنی گفتگو کا رُخ ادب، پاکستان کے علمی و ادبی ماحول، زبانوں کے بے وقعتی، آمریت کے مددگار ادباء وغیرہ کی جانب موڑ دیا ہے۔

ب۔ بدلی ہوئی دنیا کے خدوخال کو فقط کسی ایک نقطۂ نظر یعنی سیاست، معیشت، فلسفہ یا قانون قدرت کے طور پر دیکھا ہے اور ادب کو تبدیلی سے ہم آہنگ یا اس سے برسرِ پیکار ہونے کی بات کی ہے۔

ج) کچھ ادیبوں نے متغیر دنیا کے تمام تغیرات اور ان کے حاصلات پر مختصر یا تفصیلی اظہار خیال کیا ہے۔

بدلتی دنیا کے سارے تناظر کو واضح کرنے والا اس کتاب کا سب سے موثر اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ (یہ ناصر عباس نیرّ کی تحریر سے لیا گیا ہے)

> ''تبدیلی کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی؟ کبھی سست، کبھی تیز اور کبھی تیز تر ہوتی ہے..... ویسے تو معمول کے واقعات بھی دنیا کو اور ہمیں تبدیل کر رہے ہوتے ہیں..... مگر غیر معمولی واقعہ دنیا کو تیزی سے بدل ڈالتا ہے.... غیر معمولی واقعہ سیاسی، جنگی، تجارتی، ثقافتی اور فطری ہو سکتا ہے.... مثلاً سوویت یونین کا انہدام ایک غیر معمولی سیاسی واقعہ تھا..... بیسویں صدی کی عالمی جنگیں اور اکیسویں صدی میں امریکہ، افغانستان اور امریکہ، عراق جنگ بھی غیر معمولی واقعات ہیں جو نائن الیون کے غیر معمولی واقعے کا نتیجہ ہیں (یا نتیجہ قرار دیے گئے ہیں) ڈبلیو ٹی او اور گلوبلائزیشن تجارتی نوعیت کے واقعات ہیں' جو معاصر دنیا کو بدل رہے ہیں، دوسری طرف جینیات میں 'کلوننگ' طبیعات میں ایم تھیوری، ٹیکنالوجی میں سیل فون، کیبل اور انٹرنیٹ وغیرہ لسانیات، ادب اور فلسفے میں ساختیات اور مابعد جدیدیت کی تھیوری، یہ سب غیر معمولی واقعات ہیں جنھوں نے معاصر زندگی کو اور اس زندگی کے شعور کو تبدیل کیا ہے۔ اب ہم سیاسی، معاشی، ثقافتی اور فکری سطحوں پر ایک مختلف دنیا میں جی رہے ہیں۔(۱)

سیمینارز اور کتاب کے عنوان کا دوسرا حصہ ''ادب کا کردار'' ہے۔ دوسرا حصہ مزید دو حصوں میں منقسم ہے کہ ادب کیا ہے؟ اور اس کا کردار کیا ہو سکتا ہے؟ ادب کیا ہے؟ کے سوال کو سمجھنے اور بتانے کے لیے بھی اہل ادب کے تین نوعیتوں کے رویے سامنے آئے ہیں۔

الف۔ ادب کیا ہے؟ کے حوالے سے روایتی باتیں سرسری انداز میں کر کے اس پھیلے ہوئے موضوع کی دیگر شقوں کی طرف توجہ کر لی گئی ہے۔

ب۔ ادب کیا ہے؟ کا جواب اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے براہ راست یا مبہم انداز سے دیا گیا ہے۔

ج۔ ادب کیا ہے؟ کے حوالے سے ماضی کے تمام مباحث اور جدید تنقید کے سارے زاویوں سے منسلک ہو کر جواب ڈھونڈنے اور بیان کرنے کی ادھوری یا مکمل کاوش کی گئی ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے۔

موخرالذکر کی سب سے بہتر مثال مظہرالحق صدیقی کے نسبتاً طویل اظہاریے میں ملتی ہے۔اس اظہاریے کے مطابق ۱۹۵۳ء میں 'Paris Review' نامی ادبی رسالے میں مختلف زبانوں کے بڑے ادبا وشعراء کے غیر معمولی انٹرویوز لیے گئے جو بعدازاں نو جلدوں میں Writers at work کے عنوان سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئے۔ان انٹرویوز میں یہ سوال ضرور پوچھا جاتا تھا کہ ''ادب ہے کیا چیز''؟ ڈھیروں جوابات کا نچوڑ مظہرالحق صدیقی نے درج ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے:

> ''ادب کا فن پارہ اس کو کہا جا سکتا ہے، جس میں لکھنے والا زندگی کو اس طرح Explore کرے کہ وہ تحریر ایک طرف قاری کی حس جمال (Aesthetic Sense) کو جا کر چھو جائے تو دوسری طرف قاری کے ذہن میں زندگی سے متعلق ایک یا زیادہ مسائل کے بارے میں ایک یا زیادہ سوالات کھڑے کرے، ان مسائل کا حل قاری پہ چھوڑا جائے کہ وہ اپنے مخصوص پس منظر میں رہ کر ان کے بارے میں سوچے''۔(۲)

کہا جا سکتا ہے کہ ساری دنیا کے اہل ادب کی مرتب کردہ ادب کی درج بالا تعریف خاصی حد تک مکمل، موثر، بدلتی دنیا سے ہم آہنگ اور ہر زمان ومکان کا ساتھ دینے والی تعریف ہے جسے پیش نظر رکھے بغیر مذکورہ موضوع کے سارے تناظر کو دیکھنا اور تمام ابعاد کو کھولنا ممکن نہیں۔

ادب کی اس تعریف کے باعث ادب (اور ادیب) کے کردار پر روشنی ڈالنا آسان ہو جاتا ہے۔کیونکہ رومانی حوالے سے ادب کی تعریف میں ''جمالیاتی تسکین'' تو جگہ پاتی ہے لیکن معاشرہ اور اس کے مسائل منہا ہو جاتے ہیں، ترقی پسند تعریف میں مسائل اور ان کا حل (وہ بھی ایک مخصوص نقطۂ نظر سے) جلی حروف میں لکھے جاتے ہیں مگر جمالیات اور زمان ومکان کے افقی وعمودی پھیلاؤ میں زندگی کی تمام تہیں اور ساری منہاجیں خفی حروف میں بھی رقم نہیں ہوتیں۔اسی طرح ادب کی دیگر تعریفیں بھی یک طرفہ ہیں؛ خصوصاً قاری کو خود سوچنے پر آمادہ کرنے اور داخلی و خارجی سطح پر جہاں نو کی تخلیق میں حصہ دار بننے کی بات ادب کی تعریفوں میں جگہ نہیں پا سکی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس کتاب سے متغیر دنیا میں ادب کی اہمیت اور ادیب کے کردار کے حوالے سے چند مشاہیر کے اقوال درج کیے جا رہے ہیں تا کہ اس موضوع کے تمام مباحث کی ایک مجموعی جھلک سامنے آ سکے:

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''انسان خواہ خلاؤں میں پرواز کرنے لگے، مریخ وعطارد پر ڈیرے جما دے سائنس انسان کی ساری موجود تہذیب کو بدل کر رکھ دے، جب تک انسان اپنی موجودہ ہیئت میں ایک سالم اکائی کے طور پر زندہ وباقی ہے، ادب کی اہمیت ہر صورت میں باقی وبرقرار رہے گی اور ادب بدلتی ہوئی دنیا میں ....

آج کی دنیا میں بھی اور آنے والے کل کی دنیا میں بھی .... اپنا کردار ادا کرتا رہے گا"۔(۳)

۲۔ جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال:

"اگر دنیا بھر کے شاعر، ادیب اور دانش ور تہیہ کر لیں تو امیر اقوام کو غریب اقوام کے معاشی، استحصال سے روکا جا سکتا ہے اور یوں ہم اس جہان کو تہہ و بالا کر سکتے ہیں"۔(۴)

۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

"بدلتی ہوئی دنیا، ادب کے کردار کو متزلزل نہ کر سکے گی اور وہ اپنی منزل کی طرف ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا یہ منزل امن و آشتی کی منزل ہوگی"۔(۵)

۴۔ پروفیسر فتح محمد ملک:

"دنیا بدلتی رہتی ہے مگر ادب کا کردار نہیں بدلتا...... وقت بدلتا ہے مگر عشق کا چلن نہیں بدلتا"۔(۶)

۵۔ زیتون بانو:

"ادب کو ہر بدلتی ہوئی دنیا کے مفہوم اور ہر دور کے ثقافتی تقاضوں کے مطابق بدلتے رہنا چاہیے"۔(۷)

۶۔ خالدہ حسین:

"فن کا بنیادی منصب اس تاریکی کو منور کرنا اور باطن کے اس وسیع جنگل میں راستے بنانا ہے تاکہ زندگی کے جھمیلوں میں ہم کہیں یہ نہ بھول بیٹھیں کہ ہمارا اصل مقصد اس دنیا کو ایک بہتر انسانی مسکن بنانا ہے"۔(۸)

۷۔ ڈاکٹر انوار احمد:

"واقعہ یہ ہے کہ خیر اور شر کا جدل جاری ہے اور کسی تخلیق کار کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حق کیا ہے، روحِ عصر کیا ہے اور اس کے واشگاف اظہار کی قیمت کیا ہے"۔(۹)

درج بالا اقوال سے ادب کی اہمیت اور ادیب کے کردار کے حوالے سے رنگا رنگ تصورات .... جن میں کچھ رنگ یکساں اور مستقل بھی ہیں .... ظاہر ہو رہے ہیں۔

ادب اور ادیب کے کردار کے حوالے سے بعض اوقات ایک مبالغہ آمیز جوش کے ساتھ خلافِ حقیقت بھی کچھ باتیں کی جاتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ دنیا کی ترقی اور روز افزوں تبدیلی کو دیکھ کر زندگی اور ثقافت کے دیگر شعبوں کی نسبت اہلِ ادب اور اہلِ مذہب زیادہ حساسیت کے ساتھ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اس بدلتے ہوئے منظرنامے یا نامانوس طلسم کدے میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہماری اہمیت کیا ہے؟ اس حوالے سے اہلِ مذہب کے دو رویے سامنے آتے ہیں ایک تو یہ کہ جو نیا منظرنامہ یا طلسم کدہ طلوع ہوا ہے اسے رد کر دیا جائے یا یہ اعلان کیا جائے کہ اس کا ذکر ہمارے قدیم صحائف میں پہلے ہی کر دیا گیا ہے اور ان کی مدد ہی سے یہ تشکیل ممکن ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں اہلِ ادب اتنے سادہ نہیں ہیں لیکن ان کے ردِعمل میں سادگی ضرور ہے وہ یا تو مایوس ہو جاتے ہیں اور ادب،

ادیب، تہذیب اور جمالیات کی موت کا اعلان کر دیتے ہیں یا پھر وہ بھی (اہل مذہب کی طرح) پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ادب کے باعث ہوا۔ مثال کے لیے کتاب میں شامل فقط پروفیسر عبدالرزاق صابر کا اظہاریہ دیکھا جاسکتا ہے جس میں وہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا سمٹ کر پہلے ویلج، پھر کاٹیج اور اب فقط ایک کلک (Click) میں سما گئی ہے اور ''یہ سب ارتقائی مراحل انسان نے ادیب کی رہنمائی اور ادب کی سیڑھی پر چڑھ کر طے کیے ہیں''۔(۱۰)

سوال یہ ہے کہ اس انداز نظر سے ادب کی اہمیت بڑھائی جا رہی ہے یا گھٹائی جا رہی ہے۔ موجودہ ترقی یا کسی بھی زمانے کی ترقی کے پیچھے ڈھیروں عوامل ہوتے ہیں، اس میں ادب نے بھی ذہنوں کی آبیاری اور ثقافت کی ہریالی کے لیے کردار ادا کیا ہوتا ہے لیکن نئے دور کے طلسمات سے ایک احساس کمتری میں مبتلا ہو کر یہ کہہ دینا کہ ادب کی سیڑھی پر چڑھ کر انسان کو یہ سب کچھ ملا تو یہ ادب کی تعریف نہیں، تنقیص ہے۔ کیوں کہ ''یہ سب کچھ ملا'' کے الفاظ کے ساتھ جہاں ترقی اور تمدن کو اپنا کارنامہ کہا جا رہا ہوتا ہے وہاں ہر قسم کی عسکری، نظریاتی، ابلاغی اور صنعتی غلبے کے لیے ہونے والے ہر نوعیت کے سفاکانہ استحصال کو بھی ایک طرح سے Own کیا جا رہا ہوتا ہے اور ظاہر ہے دعویٰ کرنے والوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر ذرا غور کریں تو ترقی و تمدن کے چمکتے ہوئے مظاہر کو دیکھ کر حقیقت سے بعید اس نعرے کا نشر ہونا کہ ''یہ جو کچھ ہے ادیب کی رہنمائی کا ثمر ہے'، کئی نفسیاتی عارضوں کی تمہید نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے زیادہ متوازن رائے ڈاکٹر سلمیٰ شاہین کی ہے:

> ''بڑی بڑی سیاسی، معاشی، معاشرتی، اصلاحی، صنعتی، ادبی، مذہبی، تاریخی تحریکوں اور انقلابات کی بنیاد Intellectual سوچ سے پیدا ہونے والا ادب ہوتا ہے جو زندگی کی ٹھوس حقیقتوں اور بدلتی ہوئی دنیا کے مسائل اور انفرادی اور قومی بحرانوں کا نتیجہ ہوتا ہے''۔(۱۱)

گویا فکری نوعیت کے ادب کو مختلف تحریکوں کی بنیاد کہا جا رہا ہے، یہ بات اس مغالطے کی نسبت خاصی حد تک قابل قبول ہے کہ ہمارے زمانے میں جو بھی ترقی کی چمکتی صورت ہے (چاہے اس کے عقب میں جتنی بھی تاریکی ہو) وہ ادب کی عطا ہے۔

ایک اور فکری و ادبی مغالطہ ''رجائیت'' کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ ابھی تک ہم نے رجائیت کے مجہول، مخدوش، منفی اور خود فریبی پر مبنی تصور کا 'واقعی' تنقیدی تجزیہ نہیں کیا۔ سو اتنا غنیمت ہے کہ اس کتاب میں شامل محمد اشفاق سلیم مرزا کے اظہاریے میں کسی حد تک اشارہ کیا گیا ہے کہ:

> ''اس رجائیت نے ولولہ انگیزی کی نفی کی اور یہ کہ ''وہ سحر آنے والی ہے'' کے تصور نے ہی بے عملی کی طرف راغب کر دیا''۔(۱۲)

حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے اظہاریے میں محمد اشفاق سلیم مرزا رجائیت کے رومانی تصور کی نفی کرنے کے بعد خود ایک رومانی تصور کا شکار ہو جاتے ہیں وہ منیر نیازی کے اس شعر:

اس شہر سنگ دل کو جلا دینا چاہیے
پھر اس خاک کو بھی اُڑا دینا چاہیے

پر واقعی عمل درآمد کرنے کا ایک کھلا اور کڑا مشورہ دیتے ہیں:

> ''جب تک اس سماج سے شدید نفرت کا جذبہ نہیں اُبھرے گا اس وقت تک اس کی اکھاڑ پچھاڑ کا سوال سامنے نہیں آئے گا۔تعمیر اور اس کو بدلنے کی رجائیت تو بعد کا مسئلہ ہے..... اس بدلتی دنیا میں پاکستان میں ادیب کا پہلا کام اس ٹھہرے ہوئے پس ماندہ سماج کی توڑ پھوڑ کے لیے عوام کو تیار کرنا ہوگا''۔
> (۱۳)

درج بالا یا اس طرح کے دیگر مشورے اصل میں ادیب کو ایک انقلابی تنظیم کے جوشیلے کارکن یا کسی ابلاغی ادارے کے ''اینگری ینگ مین'' یا کسی تبلیغی تنظیم کے ذمہ دار یا مطلق العنان حکومتی عہدے دار کا کردار سونپنے کی ایک عجلت پسندانہ اور عاقبت نا اندیشانہ کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا ان مشوروں کی روشنی میں ادیب اپنے جمالیاتی، فکری اور روحانی منصب سے ہٹ نہیں جائے گا اور کیا سماج کو اپنے آپ سے نفرت کرنے اور خود اپنی تخریب پر آمادہ ہو جانے کا درس اپنی ثقافت، خیر کی حامل اقدار، اساطیری ورثے اور ادبی روایت کو شکست و ریخت کا شکار نہیں کر دے گا؟ بدلی ہوئی دنیا میں ادب اور ادیب کے کردار کے حوالے سے خاصی حد تک واضح، دوٹوک، موثر، قابل قبول، آج کی دنیا سے ہم آہنگ اور ادبی معیارات کی گہری پرتوں سے واقفیت کی حامل رائے ناصر عباس نیرّ کی ہے: وہ لکھتے ہیں:

> ''دراصل دو طرح کا ادب لکھا جاتا ہے اور لکھا جا رہا ہے، یا دو طرح کے لکھنے والے ہوتے ہیں۔محرر اور تخلیق کار۔ پہلی قسم کے لکھنے والے وہ ہوتے ہیں جو دنیا کو محض منعکس کرتے ہیں..... نائن الیون کے بعد بیشتر ادب اسی طرح کا لکھا گیا ہے۔
> دوسری قسم کے تخلیق کار دراصل دنیا کا کلی تصور رکھتے ہیں .... کلی وژن سے نمو پانے والا ادب بدلتی ہوئی دنیا کا کلی فہم ہی نہیں دیتا، تبدیلی کی جہت کا وسیع انسانی تناظر میں محاکمہ بھی پیش کرتا ہے.....
> ہمارے یہاں بدلتی ہوئی دنیا کے سیاسی، معاشی اور بعض ثقافتی پہلوؤں کے حوالے سے تو ادبی تحریریں سامنے آئی ہیں..... مگر ایسا ادب ابھی لکھا جانا ہے جو معاصر زندگی کا کلی وژن دے اور کچھ اس طور دے کہ معاصر زندگی کے ساتھ خود زندگی کا اسرار بھی اس میں سمٹ آئے''۔(۱۴)

آخر میں چند ایسے مسائل کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اہل دانش کے اس مجموعہ افکار میں اگر ان مسائل کا تجزیہ بھی ذرا گہرائی اور قدرے وضاحت سے ہو جاتا ہے تو بدلی ہوئی دنیا میں ادب و ادیب کے کردار کے موضوع کو زیادہ روشنی حاصل ہو جاتی۔

الف۔ دورِ غلامی ختم ہو جانے کے بعد بھی تیسری دنیا کے ممالک میں دورِ آزادی پوری طرح طلوع نہیں ہوا۔

ب۔ موجودہ عہد عالمی سازشوں اور خفیہ اداروں کی سرگرمیوں سے جس طرح داغ دار ہوا اس کا تذکرہ اور تجزیہ بقائے پاکستان کے حساس مسئلے کے حوالے سے ضرور ہونا چاہیے تھا لیکن عموماً اس سے اغماض برتا گیا۔

ج۔ اس بارے میں کوئی تجزیہ سامنے نہیں آیا کہ عالمی تبدیلیوں کے حوالے سے پاکستان میں نصف صدی کے

حال تخلیقی ادب نے اپنے قارئین کو اور تنقیدی ادب نے تخلیقی مصنفین کو فکری اور باطنی طور پر تیار کرنے میں کتنی کاوش کی؟ اور اس کاوش کے نتائج کیا رہے؟

د۔ ہمارے اہل دانش اس حوالے سے بھی خاموش رہے کہ مستقبل میں ہماری ثقافتی، فکری، ادبی حتیٰ کہ جغرافیائی صورت گری کے حوالے سے تبدیل ہوتی دنیا اپنی ترقی، تہذیب اور طاقت کے زعم میں کیا منصوبے رکھتی ہے؟

اس کتاب: ''بدلتی دنیا میں ادب کے کردار'' کو نقش اول بننا چاہیے تھا اور اس کے بعد اس موضوع پر زیادہ تجزیاتی اور ہمہ جہتی نوعیت کی کتب کو وجود میں آنا چاہیے تھا لیکن افسوس! تا حال ایسا ممکن نہیں ہو سکا ہے۔

حوالہ جات:

۱) ناصر عباس نیرّ: اظہاریہ، مشمولہ: ''**بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار**''، مرتبین: نسیم احتشام، قاضی جاوید، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۸

۲) مظہر الحق صدیقی: اظہاریہ، مشمولہ: ''**بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار**''، ص ۴۹، ۵۰

۳) جمیل جالبی: ، ایضاً، ص ۱۸

۴) جاوید اقبال، جسٹس (ر)، ایضاً، ص ۲۵

۵) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۲۹

۶) فتح محمد ملک، پروفیسر، ایضاً، ص ۳۸

۷) زیتون بانو، ، ایضاً، ص ۴۱

۸) خالدہ حسین، ، ایضاً، ص ۴۶

۹) انوار احمد، ڈاکٹر، ، ایضاً، ص ۶۲

۱۰) عبدالرزاق صابر، پروفیسر، ، ایضاً، ص ۹۶

۱۱) سلمیٰ شاہین، ڈاکٹر، ، ایضاً، ص ۹۸

۱۲) اشفاق سلیم مرزا، محمد، ، ایضاً، ص ۱۱۰

۱۳) ایضاً، ایضاً، ص ۱۱۱

۱۴) ناصر عباس نیرّ، ایضاً، ص ۱۳۰، ۱۳۱